ہندوستان میں اہل حدیث کی آمد

تحریر: جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی ۔ لاہور

ہندوستان یعنی برصغیر پاک و ہند میں۔ جس میں اب بنگلہ دیش بھی شامل ہے۔ مسلک اہل حدیث کب پہنچا؟ کیسے پہنچا؟ یہاں کے لوگ اس سے کیونکر آشنا ہوئے، اس مسلک کے حاملین نے یہاں کیا خدمات انجام دیں اور کس انداز سے انجام دیں؟ یہ ایک نہایت اہم موضوع ہے اور تفصیل طلب بھی ہے آج کی محدود مجلس میں نہایت اختصار کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

آگے بڑھنے سے پہلے چند الفاظ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ متحدہ ہندوستان کے ایک عظیم و مشہور عالم و مؤرخ عربی اور فارسی کی متعدد کتابوں کے مصنف سید غلام علی آزاد بلگرامی نے عربی زبان میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام "**سبحة المرجان في آثار هندوستان**" ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے واقعات و روایات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل عربوں اور ہندوستانیوں کے باہمی تعلقات بڑے وسیع تھے، ہندوستانی تاجر عرب کی بعض مشہور تجارتی منڈیوں میں اپنا مال تجارت لے کر جاتے اور وہاں فروخت کرتے تھے ان تجارتی منڈیوں سے وہ خود بھی بہت سی چیزیں لے کر ہندوستان آتے اور اس ملک میں انہیں بیچتے تھے، آزاد بلگرامی نے تاریخ کی روشنی میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستان کے بعض حکمرانوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے آدمیوں کی وساطت سے تحفے کے طور پر بھی کچھ چیزیں بھیجی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں زنجبیل کا تحفہ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے نبی کریم ﷺ کی بہت سی روایات مروی ہیں، ان میں سے ایک روایت حدیث کی مشہور کتاب مستدرک حاکم میں درج ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "یعنی ہندوستان کے بادشاہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں زنجبیل (سونٹھ) کا ایک گھڑا تحفتاً بھیجا، حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا، مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا"۔

اس زمانے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف حکمران حکومت کرتے تھے، جنہیں راجے مہاراجے بھی کہا جاتا تھا اور بادشاہ بھی ____ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں زنجبیل یا سونٹھ کا یہ تحفہ ہندوستان کے کس علاقے کے کس حکمران نے بھیجا تھا؟

برصغیر میں موجودہ دور کی طرح راجپوت، بلوچ، جاٹ ٹھاکر وغیرہ بہت سی برادریاں آباد تھیں اور ان

میں سے متعدد برادریوں سے عرب آشنا تھے، ان برادریوں کے کچھ لوگ بعض عرب علاقوں میں گئے تھے۔

سبحة المرجان فی آثار هندوستان کے علاوہ اور بھی کئی کتابوں میں اس قسم کی باتیں درج ہیں، مثلاً ابو عبداللہ بن احمد مقدسی نے أحسن التقاسیم فی معرفة الأقالیم میں، ابن جریر نے تاریخ الملوك و الأمم میں، عماد الدین اسماعیل نے تقویم البلدان میں، علی بن حامد ابو بکر نے چچ نامہ میں، بزرگ بن شہریار نے عجائب الهند میں، علامہ طاہر پٹنی نے مجمع بحار الآنوار میں، یاقوت حموی نے معجم البلدان میں، سمعانی نے الأنساب میں، شہرستانی نے المسالك والممالك میں، بلاذری نے فتوح البلدان میں اور ان کے علاوہ متعدد قدیم وجدید مصنفین نے ان باتوں کا ذکر کیا ہے۔ کسی نے تفصیل سے اور کسی نے اختصار سے رحمهم الله تعالیٰ قبل از اسلام کے عرب ہند تعلقات سے باخبر ہونے کے بعد اب آگے چلئے اور اسلامی عہد میں آیئے۔

قبیلہ بنو ثقیف کی تگ و تازِ مجاہدانہ

عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو ثقیف تھا، اس قبیلے کے افراد طائف اور اس کے قرب وجوار میں آباد تھے، نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی اور حضورؐ طائف میں ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے تشریف لے گئے تو انہوں نے اس دعوت کی شدید مخالفت کی اور حضور ﷺ کو پتھر مار مار کر زخمی کر دیا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے پاؤں اور پنڈلیوں سے خون بہنے لگا، طائف، مکہ مکرمہ سے تقریباً ۸۰ کلو میٹر کی مسافت پر ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ایک وقت آیا کہ طائف کے بنو ثقیف اسلام کے بہت بڑے داعی اور مبلغ بنے اور ان کی تگ و تاز مجاہدانہ سے اسلام ہمارے برصغیر پاک وہند میں پہنچا اور بعض دیگر علاقوں میں بھی ـــــ لیکن اس موقع پر گزارشات صرف برصغیر تک محدود رہیں گی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ میں جب نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں مختلف علاقوں اور قبیلوں کے وفود کی حاضری کا سلسلہ شروع ہوا تو ۹ ہجری کے رمضان المبارک میں طائف سے قبیلہ بنو ثقیف کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں آیا جس کی قیادت عبدیالیل کر رہے تھے۔ اس وفد میں سولہ سترہ سال کا ایک لڑکا بھی شامل تھا جس کا نام عثمان بن ابو العاص تھا، یہ بڑا ذہین اور تیز فہم لڑکا تھا اور اس وفد کا سب سے کم عمر رکن، اس نے مدینہ منورہ میں آتے ہی حضرت ابو بکر صدیق ﷺ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے رابطہ کیا اور ان سے قرآن مجید کی چند سورتیں بھی زبانی یاد کر لیں اور ضروری مسائل بھی سیکھ لئے۔ یہ وہ مسائل تھے، جن سے انسان کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے، اب یہ لڑکا اس وفد کا سب سے زیادہ عالم اور باخبر رکن تھا اس لئے آنحضرت ﷺ سے طائف کے مسلمانوں کی زمامِ امارت بھی اسکے سپرد کر دی گئی اور عہدۂ امامت بھی اسے عطا فرما دیا گیا۔ ۹ ہجری سے ۱۴ ہجری

تک یعنی پانچ سال وہ لڑکا اس منصب عالی پر فائز رہا۔

۱۴ ہجری میں حضرت عمر فاروق ؓ نے بصرہ اور کوفہ کی دو فوجی چھاؤنیاں تعمیر کروائیں تو بعض سر کردہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے حضرت عمرؓ نے طائف سے اسی لڑکے حضرت عثمان بن ابو العاصؓ کو مدینہ منورہ بلایا اور انہیں بصرے کا معلم مقرر فرمایا، اس سے ایک سال بعد ۱۵ ہجری میں انہیں عمان اور بحرین کا گورنر بنادیا گیا اس وقت ان کی عمر تقریباً بیس سال تھی، یہ بہت بڑا اعزاز تھا جس کا اتنی چھوٹی عمر میں ایوانِ خلافت سے انہیں مستحق گردانا گیا۔

حاملینِ حدیث کا پہلا کارواں جو واردِ ہند ہوا

اسی سال عثمان بن ابو العاصؓ نے ایک بحری بیڑا تیار کرایا اور اپنے چھوٹے بھائی حضرت حکم بن ابو العاصؓ کی قیادت میں اسے ہندوستان کی طرف روانہ کیا، کہا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ پہلا بحری بیڑہ تھا جو نبی ﷺ کے ایک صحابیؓ کے حکم سے تیار کیا گیا، اس بحری بیڑے نے ممبئ کے قریب تھانہ اور بھڑوچ کی بندرگاہوں پر حملہ کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مجاہدینِ اسلام نے ان بندرگاہوں کو فتح تو کیا لیکن ان پر قبضہ برقرار نہیں رکھا اور واپس عمان پہنچ گئے۔

یہ تہذیبِ اسلامی کا پہلا کارواں اور حاملینِ حدیث کا اولین قافلہ تھا جس نے ہندوستان کا عزم کیا اور جو اس ملک کے ایک حصے پر حملہ آور ہوا ______ یہ تین بھائی تھے..... عثمان بن ابو العاص، حکم بن ابو العاص اور مغیرہ بن ابو العاص رضی اللہ عنہم ______ یہ تینوں قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ کتبِ رجال میں انہیں ثقفی کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے حافظ ابن حزم نے اپنی کتاب جمهرة أنساب العرب میں حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفیؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا شمار عالی مرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔

یہ تینوں بھائی واردِ ہند ہوئے تھے۔ رضی اللہ عنہم، یہاں یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ وہ حملہ ۱۵ ہجری میں ہوا تھا جو بحری بیڑے کے ذریعے ہندوستان پر کیا گیا تھا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کے انتقال پر صرف چار سال گزرے تھے، وہ صحابہ کرامؓ کا زمانہ تھا، اس بحری حملے میں یقیناً اچھی خاصی تعداد میں صحابہ کرامؓ شامل ہوں گے، صرف دو چار آدمی تو اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے، لیکن افسوس ہے تاریخ ہمیں ان سب حضرات کے ناموں سے مطلع نہیں کرتی جو اس حملے میں شامل تھے۔

بحری فوج کی واپسی کے بعد جب حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفیؓ نے دربارِ خلافت میں حضرت عمر فاروق ؓ کو اس حملے کی اطلاع دی اور کامیابی سے مطلع کیا تو حضرت عمرؓ نے شدید خفگی کا اظہار فرمایا اور ایک خط میں ان کو سخت تنبیہ کی۔ اس خط کے چند الفاظ بلاذری نے فتوح البلدان میں درج کئے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں امیر المؤمنین کے نزدیک ہندوستان کو سیاسی اور فوجی اعتبار سے کس درجہ اہمیت حاصل تھی۔

امیر المؤمنین تحریر فرماتے ہیں: "اے ثقفی! تو نے چیونٹی کو لکڑی پر چڑھادیا، میں اللہ کی قسم کھاکر

کہتا ہوں کہ اگر یہ فوجی مارے جاتے تو میں تجھ سے تیری قوم میں سے اتنے ہی آدمی لے لیتا"۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ محدثین اور اصولیین کے نزدیک صحابی کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ ایک یہ کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں اسلام کی قبولیت کا شرف حاصل کیا اور آپ ﷺ کی صحبت و رفاقت سے سعادت اندوز ہوا اور اسلام ہی کی حالت میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا اور دورِ رسالت مآبؐ بھی دیکھا..... لیکن کسی وجہ سے نبیِ کریم ﷺ کے فیضِ صحبت سے ہم کنار نہ ہو سکا، البتہ اسلام آنحضرت ﷺ کے زمانۂ رسالتؐ میں قبول کیا۔ اسے اصحابِ رسولؐ "مخضرم" سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کا قرنِ عالی قدر پایا، اسلام اگرچہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں قبول کیا یا بعد میں..... البتہ کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقۂ اہلِ ایمان میں داخل ہوا، اسے "مدرک" کہا جاتا ہے۔

تاریخِ اسلامی ہمیں بتاتی ہے کہ برصغیر میں ان تینوں قسموں کے صحابی تشریف لائے تھے، تشریف لانے والے پچیس صحابہؓ کا ہمیں پتہ چلتا ہے، ان کے ناموں کا بھی پتہ چلتا ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بارہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں چار حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں اور ایک یزید بن معاویہؓ کے زمانے میں برصغیر میں آئے۔

ان حضرات میں سے بعض علاقہ سندھ میں آئے، بعض مکران میں ..... بعض کرمان میں ..... بعض قلات میں ..... بعض کابل میں ..... بعض سجستان میں ..... بعض ملتان میں ..... بعض دیبل میں اور بعض بھڑوچ اور تھانہ میں، ان سب نے یہاں کے مختلف علاقوں کی جنگوں میں حصہ لیا، رضی اللہ عنھم۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بہت سے علاقے فتح ہوئے اور متعدد شہروں میں اسلامی پرچم لہرایا، امام ابو یوسف، حضرت امام زہری کے حوالے سے کتاب الخراج میں لکھتے ہیں : "إن أفريقية و خراسان و بعض السند فتحت في زمن عثمانؓ"۔ یعنی : "افریقہ، خراسان اور سندھ کے بعض حصے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں فتح ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں فتح ہوئے"۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں ایک صحابی حضرت حکیم بن جبلہ عبدیؓ بڑے ادیب اور سیاح صحابی تھے، بلاذری نے فتوح البلدان میں ان کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں : "حضرت عثمانؓ نے عراق کے گورنر عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ کسی شخص کو ہندوستان بھیجا جائے، جو وہاں کے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر معلومات حاصل کرے، اس کی حاصل کردہ معلومات دربارِ خلافت میں بھیجی جائیں"۔ چنانچہ انہوں نے اس فریضے کی انجام دہی کیلئے حکیم بن جبلہؓ کو ہندوستان بھیجا، جو اپنے دور کے بڑے اچھے ادیب تھے، انہوں نے وہاں کے

مختلف علاقوں کے چکر لگائے اور اپنی روداد سنانے کیلئے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا، کچھ معلومات حاصل ہوئیں؟ عرض کیا: جی ہاں! حاصل ہوئیں، فرمایا: بیان کرو، انھوں نے ادیبانہ انداز میں جواب دیا، یعنی: ''خطۂ ہند کی حالت یہ ہے کہ پانی میلا، پھل ردی، زمین پتھریلی، باشندے بہادر، چور بے باک، لشکر کم ہو تو ضائع ہو جانے کا اندیشہ، زیادہ ہو تو بھوک سے مر جائے''۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ''واقعہ بیان کررہے ہو یا شاعری فرمارہے ہو؟'' عرض کیا: ''واقعہ بیان کررہا ہوں''۔ یہ پہلی صدی ہجری اور نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ عظام کا دور ہے۔ یہ وہ اولین پر عظمت گروہ ہے جس نے ہندوستان کا رخ کیا، یہ طائفۂ مقدسہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کا ذخیرہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اور اسی پر عامل تھا، یہی اس جماعت کا مقصدِ حیات اور یہی اس کے شب وروز کا مشغلہ تھا، ہم اس عالی قدر گروہ اور عظیم الشان جماعت کو جس کا قرآنِ مجید، ﴿رضی الله عنهم ورضوا عنه﴾ کے پُر افتخار الفاظ کے ساتھ ذکر کرتا ہے، اہلِ حدیث قرار دیں گے، انہیں عاملینِ سنت سے تعبیر کریں گے اور متبعینِ پیغمبرؐ ٹھہرائیں گے۔

یہ وہ دور ہے جب فقہی مسالک کا کہیں نام ونشان نہ تھا اور کسی قابلِ احترام امام یا فقہ کا قطعاً کوئی وجود نہ تھا، حضرت امام ابو حنیفہؒ اس سے ٦٥ سال بعد ٨٠ ہجری میں پیدا ہوئے اور ١٥٠ ہجری میں انہوں نے سفرِ آخرت اختیار کیا، امام مالکؒ ٩٣ ہجری میں رونق آرائے بزمِ وجود ہوئے اور ١٧٩ ہجری میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، امام شافعیؒ ١٥٠ ہجری میں اس عالمِ ہست وبود میں نمودار ہوئے اور ٢٠٤ ہجری میں یہ آفتابِ علم غروب ہو گیا، امام احمد بن حنبلؒ کی ولادت ١٦٤ ہجری میں ہوئی اور ٢٤٠ ہجری میں وہ عالمِ جاودانی میں تشریف لے گئے۔

واضح الفاظ میں کہنا چاہیے کہ صحابہ کے زمانہ میں نہ حنفی تھے، نہ مالکی تھے، نہ شافعی تھے، نہ حنبلی، خالص فرامینِ پیغمبرؐ اور حدیثِ رسولؐ کا سکہ جاری تھا اور حدیث ہی مسائل کا مأخذ تھی اور اسی پر ان کا عمل تھا، کسی امام یا فقہ کی تقلید کا ہرگز کوئی سلسلہ نہ تھا، جب ائمہ فقہ کی پاکباز ہستیاں دنیا میں موجود ہی نہ تھیں تو تقلید کیسی؟ تقلید کے سلسلے بہت بعد میں پیدا ہوئے پہلے خالص قرآن وحدیث اور فقط کتاب وسنت کی بنیاد پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی تھیں اور اسی کا نام اہلِ حدیثیت ہے اور اسی کو ماننے اور حرزِ جان بنانے والے لوگ سب سے پہلے وارد ہند ہوئے رضي الله عنهم ورضوا عنه۔

تاریخ ہمیں ان میں سے پچیس حضرات کے اسمائے گرامی سے متعارف کراتی ہے۔ عین ممکن ہے ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو اور تاریخ اپنے دامن کی بے پناہ وسعت کے باوجود ان سب کے نام محفوظ نہ رکھ سکی ہو۔

اہلحدیث کا دوسرا کارواں جو عازمِ ہند ہوا

صحابہ کرامؓ کے دور کے بعد اب دوسرے دور کی طرف آیئے، جو عالی قدر تابعین کا دور ہے یعنی صحابہ کرامؓ

کے شاگردوں کا دور، اس میں بھی تاریخ ہماری بے حد حوصلہ افزائی کرتی ہے اور کھلے الفاظ میں بتاتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے مختلف مقامات کو بیالیس تابعین نے اپنے قدومِ میمنتِ لزوم سے نوازا۔ اس جماعت عالی مرتبت میں موسی بن یعقوب ثقفی، سعید بن اسلم کلابی، عبدالرحمٰن کندی، قیس بن ثعلبہ، عبدالرحمٰن بیلھانی، سعد بن ہشام انصاری جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم

یہ اہلِ حدیث کا دوسرا گروہ ہے جو اس ملک میں آیا اور جس نے یہاں حدیث و سنت کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا مطمح نظر ٹھہرایا، ان میں علاقہ سندھ کے تابعین بھی شامل ہیں، جن کی تعداد بیس ہے، تاریخ و رجال کی کتابوں میں ان کے نام مع ان کی ولدیت کے مرقوم ہیں، ان میں عبدالرحمٰن بن عباس قرشی ہاشمی، معاویہ بن قرۃ مزنی بصری، حکم بن عوانہ کلبی، زائدہ بن عمیر طائی کوفی شامل ہیں۔

تابعین و تبع تابعین کی اس جماعت کے جس فرد نے جس صحابی یا تابعی سے حدیث روایت کی اور جن کے حلقۂ شاگردی میں وہ شامل ہوئے۔ ان کے نام کی بھی تاریخ و رجال کے مصنفین نے وضاحت کر دی ہے۔

واردِ ہند ہونے والا اہل حدیث کا تیسرا گروہ

تابعین کے بعد اہل حدیث کا تیسرا گروہ جو واردِ ہند ہوا، تابعین کے شاگردوں یعنی تبع تابعین کا ہے۔ ان میں ہمیں اٹھارہ حضرات کے نامِ نامی معلوم ہو سکے ہیں۔ اس فہرست میں اسرائیل بن موسی بصری، محمد بن زید عبدی، عبدالرحیم دیبلی سندھی، فتح بن عبداللہ سندھی، یزید بن عبداللہ بن قرشی سندھی، ابو عیینہ ازدی کے اسمائے گرامی مرقوم ہیں

یہاں یہ بھی عرض کر دیں کہ محمد بن قاسمؒ نے ۹۳ ہجری میں سندھ پر حملہ کیا تھا، بعض حضرات اسے پہلا حملہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا پہلا حملہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ۱۵ ہجری میں ممبئ کے نواح میں تھانہ اور بھڑوچ کے مقامات پر حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفیؓ نے بحری بیڑے کے ذریعے کیا تھا، البتہ پورا سندھ بلکہ راجستھان کا کچھ علاقہ اور ملتان تک کے متعدد مقامات محمد بن قاسم کے حملے سے فتح ہوئے تھے۔

عرض دراصل یہ کرنا مقصود ہے کہ جو صحابی اور تابعی اور تبع تابعین برصغیر میں آئے وہ حدیثِ رسولؐ کے اصل مبلغ اور اس پر عامل تھے، انہوں نے یہاں مسجدیں تعمیر کیں، مدرسے قائم کئے اور حدیث کی تعلیم و تدریس کے سلسلے جاری کئے، وہ قرآن اور حدیث ہی کا علم رکھتے تھے اور اسی کی انہوں نے یہاں ترویج و اشاعت کی، ان کا جاری کیا ہوا یہ سلسلہ برصغیر میں اب تک چلتا ہے اور ان شاء اللہ چلتا رہے گا۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اہل حدیث نیا مذہب ہے اور اس کی عمر ڈیڑھ دو سو سال سے زیادہ نہیں، یہ نہایت بے تکی بات ہے اور اسلامی تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل کے علاوہ تعصب کا اظہار بھی ہے۔ ان حضرات سے ہم

عرض کریں گے کہ اگر نبی کریم ﷺ کی حدیث نئی ہے، تو یہ مذہب بھی نیا ہے، اگر آنحضرت ﷺ کی حدیث پاک کا وجود چودہ سو سال سے ہے۔ تو اہلِ حدیث کا وجود بھی چودہ سو سال سے ہے۔ تاریخی حقائق ہمیں بتاتے ہیں اور واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ اہلِ حدیث اصل دین اور اسلام کی صحیح ترین تعبیر ہے جو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں برصغیر میں آیا اور یہاں کے لوگ اس سے آشنا ہوئے باقی سب فقہی مذاہب یا مسالک ہیں جو بہت بعد میں عالمِ وجود میں آئے، اس وقت حنفیت کہاں تھی؟ مالکیت کا وجود کہاں تھا؟ شافعیت اور حنبلیت کہاں تھی؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پرانے زمانے کے اہل حدیث یا اصحابِ حدیث اور تھے اور یہ اور ہیں ..... یہ بھی نہایت بے وزن بات ہے..... سوال یہ ہے کہ وہ کسی اور حدیث پر عمل کرتے تھے اور یہ کسی اور پر کرتے ہیں؟ نماز، روزہ، حج، زکوۃ، بیع، شراء وغیرہ امور میں جن احادیث پر وہ عمل کرتے تھے..... انہی پر یہ عمل کرتے ہیں، ان کی ان سے کوئی الگ حدیثیں اور الگ احکام نہیں ہیں۔

اسلام موٹے موٹے دو امور پر مشتمل ہے، ایک عبادات اور دوسرے معاملات، ان دونوں کا حدیث رسولؐ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور ان کی جزئیات تک بیان کر دی گئی ہیں۔ ان پر اہلِ حدیث اللہ کے فضل سے پوری طرح عامل ہیں۔

یہاں یہ یاد رہے کہ ائمہ فقہ کی مساعی شرعی کو اہل حدیث انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، فقہیات میں انہوں نے بے پناہ خدمات انجام دی ہیں اور بہت سے مسائل کو بے حد تفصیل سے بیان کیا ہے۔

فقہ کیونکر عالمِ وجود میں آئی؟

یہاں اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے، عرب معاشرہ بالکل سادہ تھا، اس معاشرے کو یہ بتا دینا کافی تھا کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو۔ جس کام سے ان کو نبی کریم ﷺ نے روک دیا، وہ اس سے رک گئے اور جس کا حکم دیا اس پر عمل پیرا ہو گئے، لیکن نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد خلفائے کرام کے زمانے میں فتوحات کے سلسلے نے وسعت اختیار کی اور اسلام مکہ، مدینہ اور ان کے گرد و نواح کی حدود سے آگے نکل کر عراق، ایران، روم اور مصر وغیرہ کے علاقوں میں گیا تو اسے نئے معاملات سے واسطہ پڑا، وہاں اس دور کے مطابق کارخانے تھے، زمیندار سسٹم تھا، مزدور اور مالک کے مسائل تھے، زمیندار اور مزارع کے مسائل تھے۔ وہاں کے باشندے بلکہ عورتوں تک چھری کانٹے سے کھاتے تھے جس کا خود قرآن مجید نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت یوسف اور زلیخا کے معاملے میں وہاں کی عورتیں زلیخا کے گھر آئیں تو انہوں نے چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہوئے ﴿قطعن أيديهن﴾ اپنے ہاتھ کاٹ لئے، یہ اسلام کی آمد سے اڑھائی تین ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے، اسلام کے زمانے میں تو معلوم نہیں اس کی رفتار ترقی

کہاں تک پہنچ گئی ہو گی۔

بہر حال اس وقت نئے حالات اور نئے مسائل سے نمٹنے کیلئے کتاب و سنت کی روشنی میں ائمہ فقہ میدان میں آئے اور انہوں نے پیش آئندہ معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی اور ان کی یہ کوشش نہایت لائقِ تحسین ہے، ہر شخص اس کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ائمہ فقہ کی فقاہت کو ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ لیکن...... یہ ماننا مشکل ہے کہ حق صرف ائمہ فقہ تک محدود ہے، حق اس سے باہر بھی ہو سکتا ہے اور بہت سے معاملات میں باہر ہے بھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب "حجة الله البالغة" میں وضاحت سے لکھا ہے کہ خود ائمہ کا یہ فرمان ہے کہ ان کی کوئی بات اگر حدیث کے خلاف ہو تو اسے ترک کر دو اور اس کے مقابلے میں حدیث پر عمل کرو۔ عین ممکن ہے نبی کریم ﷺ کی حدیث کسی امام کو نہ پہنچی ہو، حدیث کے کسی وجہ سے ان تک نہ پہنچنے سے خدانخواستہ امام کی توہین کا پہلو نہیں نکلتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حدیثوں کا علم خود حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نہیں ہو سکا، حالانکہ وہ سب سے پہلے مسلمان ہیں، نبی کریم ﷺ کے انتہائی اطاعت گزار، بے حد متبع اور بہ درجہ غایت غم خوار ہیں، حضور ﷺ کے غارِ ثور کے ساتھی ہیں۔ قرآن کہتا ہے: ﴿إذهما في الغار إذيقول لصاحبه لا تحزن ......﴾ دونوں کا زمانہ ایک، شہر ایک۔ مقامِ سکونت ایک، بے حد قرب، لیکن بعض حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں۔ اور ان سے مروی بھی بہت کم حدیثیں ہیں۔ اگر کسی امام فقہ کو کوئی حدیث نہیں پہنچی تو کون سی بڑی بات ہے؟ جبکہ وہ نبی کریم ﷺ سے بہت سال بعد میں پیدا ہوئے، پھر ان کی سکونت بھی نبی ﷺ کے مسکن سے بہت دور ہے۔

برصغیر میں اہل حدیث نے بے حد خدمات سرانجام دیں۔ یہاں آتے ہی انہوں نے سندھ، ملتان اور دوسرے علاقوں میں مسجدیں تعمیر کیں، مدرسے قائم کئے، جن میں حدیث کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، کتابیں تصنیف کیں، پھر حالات کے مطابق سیاسیات میں حصہ لیا، ان کی بوقلموں خدمات کے سلسلے اب تک جاری ہیں اور ان شاء اللہ حالات کی روشنی میں ہمیشہ جاری رہیں گے، قرآن و حدیث کی اشاعت کے دائرے بڑھتے رہیں گے اور سنتِ رسول ﷺ کی تبلیغ ہوتی رہے گی...... مدرسوں میں بھی...... مسجدوں میں بھی...... عام جلسوں میں بھی...... تصنیفات کی صورت میں بھی...... وعظ و تقریر کی صورت میں بھی اور اخبارات و رسائل میں مضامین و مقالات کی صورت میں بھی...... قرآن و حدیث کی روشنی میں باطل کی مخالفت اور حق کی حمایت کا محاذ ہمیشہ قائم رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

(بشکریہ ماہنامہ "صراطِ مستقیم" برمنگھم برطانیہ)